حضرت العلام مولانا حافظ محمد صاحب گوندلوی

دوام حدیث

احادیث صحیحہ پر اعتراضات

متن اور سند دونوں پر

سند پر اعتراض کا یہ مطلب ہے کہ محدثین نے جو صحت کے شرائط مقرر کیے ہیں۔ ان میں سے کسی شرط کے معدوم ہونے کا ذکر کیا جائے۔

اس میں کوئی شبہ نہیں کہ بعض محدثین نے صحیح بخاری کی ۱۱۰ احادیث پر اس قسم کے اعتراض کیے ہیں مگر ان اعتراضات کی حقیقت صرف ایک محدثانہ تنقید ہے کیونکہ وہ حدیثیں معترض کے نزدیک بھی صحیح ہیں۔ اعتراض کی نوعیت صرف یہ ہے کہ امام بخاریؒ نے اس حدیث کی اتنی اسانید میں سے ان خاص سندوں کو کیوں اختیار کیا ہے۔ حالانکہ بظاہر سندِ متروک سندِ مذکور سے زیادہ صحیح ہے۔ مقدمہ فتح الباری ص ۲ میں ہے:۔

فإن جميعها وارد من جهة أخرى

یہ تمام حدیثیں جن پر کلام کی گئی ہے دوسری سند سے بھی مروی ہیں۔

صرف دو حدیثیں ایسی ہیں جن میں ضعیف راوی کے منفرد ہونے کا اعتراض کیا گیا ہے مگر حافظ ابن حجرؒ نے بتایا ہے کہ ان کی متابعت موجود ہے۔ اور دارقطنی نے متن میں صرف ایک حدیث پر اعتراض کیا ہے جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خطبہ کی حالت میں آنے والے آدمی کو دو رکعت پڑھنے کا حکم دیا ہے، کہ اس میں شعبہ منفرد ہے مگر حافظ ابن حجرؒ نے اس کی متابعت کا بھی ذکر کیا ہے۔

پس متن اور سند کے لحاظ سے بخاری کی کوئی مسند حدیث قابل اعتراض نہیں۔ صرف بعض احادیث میں کچھ شاذ شاذ کلمات ہیں اور امام بخاریؒ نے محدثانہ رنگ میں ان پر تنبیہ کر دی ہے۔ اسی واسطے امام بخاری نے کہا ہے کہ:

ما ادخلت فی الصحیح حدیثا الا بعد ان استخرت اللہ و تیقنت صحتہ

صحیح بخاری میں ہر حدیث ذکر کرنے سے پہلے میں نے اللہ تعالیٰ سے استخارہ کیا ہے اور اس کی صحت کا یقین کر لیا ہے

اسی بخاری کی احادیث پر جو اعتراض ہوں گے ان کی نوعیت یہ ہوگی کہ:

یہ حدیث قرآن کے خلاف ہے۔

یہ حدیث عقل کے خلاف ہے

یہ حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شان کے خلاف ہے۔

اس قسم کے اعتراض لوگوں نے قرآن پر بھی کیے ہیں کہ:

۱۔ یہ آیت قرآن کی فلاں آیت کے خلاف ہے یعنی قرآن قرآن کے خلاف ہے۔

۲۔ یہ آیت عقل کے خلاف ہے۔

۳۔ یہ آیت رسول کی شان کے خلاف ہے۔

اعتراض اول کی مثالیں گزر تو چکی ہیں تاہم ایک مثال اور سن لیجئے۔

ایک آیت میں ہے:

قَدْ اَفْلَحَ مَنْ زَكّٰىهَا (الشمس) جو نفس کا تزکیہ کرے وہ کامیاب ہے

دوسری آیت میں ہے:

لَا تُزَكُّوْا اَنْفُسَكُمْ (النجم) اپنی جان کا تزکیہ نہ کرو۔

پہلی آیت میں تزکیہ کرنے کی ترغیب ہے تو دوسری میں ممانعت۔ یہ اعتراض ظاہر ہے، ورنہ درحقیقت یہ اعتراض غلط ہے کیونکہ ترغیب میں تزکیہ کا مطلب کچھ اور ہے اور ممانعت میں تزکیہ کا مطلب کچھ اور۔

دوسری قسم کے اعتراض

ا۔ وَجَدَهَا تَغْرُبُ فِي عَيْنٍ حَمِئَةٍ (کہف)

اس آیت پر یہ اعتراض ہے کہ ایک تو سورج کا مغرب متعین کیا گیا ہے۔ حالانکہ جغرافیہ پڑھنے والے جانتے ہیں کہ سورج کے لیے کوئی جائے غروب متعین نہیں۔ پھر اس کی جائے غروب کو ایک کیچڑ والا چشمہ قرار دیا ہے۔ حالانکہ سورج زمین سے کئی گنا بڑا ہے۔ کیا زمین کے کسی حصہ میں غروب ہو سکتا ہے؟

اگرچہ اس اعتراض کا جواب بھی دیا گیا ہے اور اسی قسم کے ...... وہ تو اعتراض کرنا جانتا ہے ستیارتھ پرکاش میں پونے دو سو کے قریب قرآن پر اعتراض کیے گئے اور اہلحدیث کی طرف سے مولانا ثناء اللہ صاحب مرحوم نے انکے جواب بھی دیئے ہیں مگر معترض تو یہی سمجھتا ہے کہ میرا اعتراض صحیح ہے۔

ب۔ ثُمَّ خَلَقْنَا النُّطْفَةَ عَلَقَةً فَخَلَقْنَا الْعَلَقَةَ مُضْغَةً فَخَلَقْنَا الْمُضْغَةَ عِظَامًا فَكَسَوْنَا الْعِظَامَ لَحْمًا (سورہ مومنون)

ہم نے نطفہ کا علقہ بنایا اور علقہ کی بوٹی بنائی اور بوٹی کو ہڈیوں میں تبدیل کیا اور پھر ہڈیوں کو گوشت پہنایا

اس آیت سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ نطفہ علقہ بن جاتا ہے اور علقہ بوٹی بن جاتی ہے اور بوٹی ہڈیاں بن جاتی ہیں حالانکہ جنین کے تغیرات کی یہ نوعیت واقعہ کے خلاف ہے۔ تاویل کرنے سے ہی مطلب بنے گا۔

تیسری قسم کے اعتراض

ا۔ موسیٰ علیہ السلام نے غصہ میں آکر اپنے بڑے بھائی کی داڑھی اور سر پکڑ لیا۔ بظاہر یہ بات نبی کی شان کے خلاف ہے۔

ب۔ موسیٰ علیہ السلام نے اللہ کو کہا۔

إِنْ هِيَ إِلَّا فِتْنَتُكَ تُضِلُّ بِهَا مَنْ تَشَاءُ وَتَهْدِي مَنْ تَشَاءُ (اعراف)

جو تو نے کیا وہ تیرا فتنہ ہے۔ اس کے ساتھ جس کو تو چاہتا ہے گمراہ کرتا ہے اور

جس کو چاہتا ہے ہدایت کرتا ہے۔
بظاہر یہ کلام نبی کی شان کے خلاف معلوم ہوتی ہے۔
اگرچہ اعتراضات غلط ہیں اور ان کے جوابات بھی ہیں مگر ہماری غرض ان اعتراضات کے بیان سے یہ ہے کہ حدیث صحیح پر بھی اسی قسم کے اعتراضات کیے گئے ہیں اور ان کے جوابات بھی معقول ہیں محض اعتراض سے بددل نہیں ہونا چاہیئے۔ اعتراض تو ہر چیز پر ہو سکتا ہے۔

صحیح بخاریؒ پر اعتراضات اور ان کے جوابات

۱۔ "حضرت سلیمان علیہ السلام نے اس امید میں کہ ان کی ہر ہر بیوی ایک ایک مجاہد فرزند جنے گی، ایک رات میں اپنی نوے بیویوں پر گشت لگائی۔" (مقام حدیث ص ۱۹۵)

جواب:۔ اس اعتراض کا مطلب یہ ہے کہ رات کا وقت اتنا نہیں ہوتا کہ انسان نوے بیویوں کے پاس جا سکے اور انسان کی بنیت میں بھی یہ قوت نہیں کہ ایسا کر سکے۔ مگر یہ امر محال نہیں صرف بظاہر مشکل معلوم ہوتا ہے۔ اس اشکال کو محدثین نے محسوس کیا مگر محال نہ ہونے کی وجہ سے تسلیم بھی کر لیا، کیونکہ انبیاء کی صحت اور قوت پوری ہوتی ہے خصوصاً جو شخص حکومت کے گھر میں جوان ہوا ہو۔ پھر حدیث میں یہ بھی ذکر نہیں کہ گئے، بلکہ جانے کا خیال کیا۔ پھر حدیث میں "اللیلۃ" کا لفظ ہے جس کا مطلب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ چند راتوں میں اپنی بیویوں کے پاس جاؤں گا۔ اس صورت میں الف لام جنس کا ہوگا۔ جس کی وجہ سے ایک رات مراد نہیں لی جا سکتی۔ پھر یہ بات فرضی بھی ہو سکتی ہے کہ اس سے مراد مبالغہ ہو یعنے اگر میں ایسا کروں تو ایسا ہوگا، اگر بالفرض ایسا کر دیا تو شاید ایسا ہو۔

۲۔ "حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ملک الموت کو جب وہ ان کی جان نکالنے کے لیے آیا، ایسا تھپڑ مارا کہ وہ واپس لوٹ گیا۔" (مقام حدیث)

جواب:۔ اس حدیث میں اعتراض کی یہ وجہ معلوم ہوتی ہے کہ موسیٰ علیہ السلام نے

مارا کیوں۔ پھر اس کی آنکھ کس طرح پھوٹ گئی۔ اس اعتراض کو محدثین نے محسوس کیا اور اس کا یہ جواب دیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ملک الموت کو محض امتحان کے لیے بھیجا تھا موسیٰ علیہ السلام نے آدمی سمجھ کر مارا جس طرح کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس فرشتے انسانی شکل میں آئے اور وہ انہیں آدمی سمجھ کر ان کے لیے بچھڑا بھون کر لے آئے[1] اور حضرت لوط علیہ السلام بھی مہمان سمجھ کر گھبرا گئے۔ بعض نے آنکھ پھوڑنے کا یہ مطلب بیان کیا ہے کہ ملک الموت کو لاجواب کر دیا۔ جیسا کہ ہمارے ہاں محاورہ ہے کہ میں نے اس کے دانت توڑ دیے، میں نے اس پر اعتراض کر کے اسے اندھا کر دیا۔ بعض نے کہا ہے کہ ممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو مارنے کا حکم دیا ہو تاکہ ملک الموت کو علم ہو جائے کہ میرا جان قبض کرنا محض اللہ تعالیٰ کے حکم سے ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ چاہے تو اپنے بندوں کو اتنی قدرت دے سکتا ہے کہ وہ میرا مقابلہ کریں۔ نیز مادی چیزیں جب مادی صورت میں ظاہر ہوتی ہیں تو ان کے احکام بدل جاتے ہیں۔

۴۔ "اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو ساٹھ گز کا پیدا کیا" (مقام حدیث ص۱۹۵)

جواب:۔ حدیث میں تو ساٹھ ہاتھ کا ذکر ہے اور ہو سکتا ہے کہ ہاتھ سے مراد بچے کا ہاتھ ہو جبکہ وہ پیدا ہوتا ہے، اب اس میں کیا اشکال ہے۔ یا اس کا مثالی وجود مراد ہو۔ یا کنایہ اس امر سے ہو کہ انسان بلحاظ صفاتِ باطنہ کے بلند مقام رکھتا ہے۔ ساٹھ کا لفظ مبالغہ کے لیے ہو یعنی انسان اس طرح بنایا گیا ہے کہ بلحاظِ بلندیٔ مقام کے اس کا سر آسمان سے ٹکراتا ہے۔

اس کے بعد ان اسرائیلیات کے متعلق کہتے ہیں۔ ان کے کتاب میں درج ہو جانے کے دو سبب ہو سکتے ہیں۔

پہلا اعتراض

"وضاعین اپنی روایتوں پر ثقہ راویوں کے نام چسپاں کر دیتے تھے اور یہ امر بہت

---

[1] سورہ ہود، پ ۱۲

مشتبہ ہے کہ بڑے سے بڑا امام بھی اس قسم کی جملہ تدلیسوں سے باخبر تھا۔" [1]

جواب: مگر یہ نہیں بتایا گیا کہ موضوع احادیث بنانے والے حدیث بنا کر کسی ثقہ کا نام چسپاں کر کے حدیثیں کہاں پھینکتے تھے اور خود کہاں چلے جاتے تھے۔ محدثین تو حدیثوں کو حدیث بیان کرنے والے سے اخذ کرتے تھے۔ اسی سے بنانے والے کا پتہ چل سکتا تھا۔ پھر اساتذۂ مشہورین کی حدیثیں وہ گن چکے تھے اور ان کی ہر حدیث کی سند بھی الگ محفوظ تھی۔ پھر کس طرح ممکن ہے کہ اس قسم کا اشتباہ پیدا ہو سکے۔

"دوسرا اعتراض،

خود فن رجال ظنی ہے۔ کیونکہ:

۱۔ اس فن میں رجال کے صدق و کذب کا مدار ان کے ہم عصروں کی شہادتوں پر رکھا گیا ہے۔ حالانکہ یہ ایسی باطنی صفتیں ہیں جن کے اوپر سوائے ظن اور تخمینی کے یقینی شہادت ہو ہی نہیں سکتی۔

۲۔ یہ ہم عصروں کی شہادتیں بھی ہم خیالی، استادی، شاگردی اور دیگر عواطف و میلانات پر مبنی ہیں۔ چنانچہ سنی شیعہ راویوں کو اور سنی شیعہ راویوں کو من حیث الجماعت غیر معتبر سمجھتے ہیں۔

۳۔ اس فن کی رو سے جو صادق قرار دیا گیا ہے اس کی ہر روایت سچی اور جو کاذب قرار دیا گیا ہے اس کی ہر روایت جھوٹی سمجھی جاتی ہے اور یہ واقعیت کے خلاف ہے۔" [2]

جواب:

۱۔ ان اعتراضات کے جوابات پہلے مفصل بیان ہو چکے ہیں تاہم یہاں کچھ نہ کچھ لکھا جاتا ہے۔ فن رجال کے ظنی ہونے کے متعلق جو پہلی دلیل بیان کی گئی ہے وہ بالکل نکمی ہے کیونکہ صحیح شہادت سے ایک شے کا علم ہو سکتا ہے جیسے زید کہے میں نے عمرو کو آتے دیکھا ہے یا نماز میں میرے ساتھ تھا حسیات میں شک کرنا وہمی پن ہے۔ پھر باطنی صفات کا علم ظاہری افعال

---

[1] مقام حدیث ص ۱۹۰ [2] ایضاً

سے ہو سکتا ہے کیونکہ راوی کے معتبر ہونے کے لیے دو چیزوں کی ضرورت ہے۔ ایک تو حافظہ اچھا ہو (حافظہ اگرچہ باطنی صفت ہے مگر اس کا معلوم کرنا کوئی مشکل نہیں) دوسری صفت عدالت ہے جس میں تقوے کا لحاظ کرنا ہوتا ہے اور تقوے کی علامت یہ ہے کہ کفر، فسق اور بدعت سے بچا ہوا ہو اور خلافِ مروت کوئی کام نہ کرتا ہو۔ مگر بدعتی کے متعلق علماء نے یہ فیصلہ کیا ہے کہ اگر بدعتی آدمی سچا ہو تو چند شرائط کے ساتھ اس سے روایت لینی جائز ہے۔ چنانچہ بخاری میں بعض اہل بدعت کی روایات موجود ہیں اور علماء ان کو صحیح سمجھتے ہیں۔

۲۔ اہل سنت چونکہ شیعہ مسلک والوں کی روایات لے لیتے ہیں، ان پر یہ الزام لگانا کہ وہ شیعہ کو من حیث الجماعت غیر معتبر سمجھتے ہیں، غلط ہے۔ یہ شہادتیں جو اسماء الرجال کی کتابوں میں مندرج ہیں تحقیق کی بنا پر ہیں۔ ہم خیالی کی بنا پر نہیں ہیں ورنہ اہل سنت کو محدثین ضعیف نہ کہتے اور کسی شیعہ کی روایت نہ لیتے۔

۳۔ اگرچہ صادق کی ہر بات ضروری نہیں کہ سچی ہی ہو۔ ممکن ہے کہ اس کی بعض باتیں غلط بھی ہوں۔ مگر اس کی ہر بات کو پرکھنے کے لیے اور باتوں کو بھی دیکھنا ہوتا ہے۔ صرف صداقت کا لحاظ نہیں ہوتا۔ اس واسطے اس کی ہر بات میں سچائی یا غلطی معلوم کی جا سکتی ہے اور جھوٹا آدمی اگرچہ کبھی سچ بھی کہہ دیتا ہے مگر اس کے غیر معتبر ہونے کی وجہ سے اس سے روایت نہیں لی جاتی۔